ابن انشاء

اقبال کے دوست اور ہم جلیس

بڑے لوگوں کے دوستوں اور ہم جلیسوں میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اس دوستی اور ہم جلیسی کا اشتہار دے کر خود بھی ناموری حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرے وہ عجز و فروتنی کے پتلے جو شہرت سے بھاگتے ہیں۔ کم از کم اپنے ممدوح کی زندگی میں۔ ہاں اس کے بعد رسالوں کے ایڈیٹروں کے پرزور اصرار پر انہیں اپنے تعلقات کو عالم نشرح کرنا پڑے تو دوسری بات ہے۔

ڈاکٹر لکیر الدین فقیر کو لیجئے۔ جیسے اور پروفیسر ہوتے ہیں ویسے ہی یہ تھے۔ لوگ فقط اتنا جانتے تھے کہ علامہ اقبال کے ہاں اٹھتے بیٹھتے تھے۔ سو یہ بھی خصوصیت کی کوئی بات نہیں۔ یہ انکشاف علامہ کے انتقال کے بعد ہوا کہ جب کوئی فلسفے کا دقیق مسئلہ ان کی سمجھ میں نہ آتا تو انہی سے رجوع کرتے تھے۔ ڈاکٹر لکیر الدین فقیر نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک روز آدھی رات کو میں چونک کر اٹھا اور کھڑکی میں سے جھانکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ علامہ مہرور کا خادم خاص علی بخش ہے۔ میں نے پوچھا خیریت! جواب ملا، علامہ صاحب نے یاد فرمایا ہے۔ میں نے کہا۔ اسوقت؟۔ بولا "جی ہاں اس وقت اور تاکید کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو لے کر آنا۔" میں حاضر ہوا تو اپنے لحاف میں جگہ دی اور فرمایا۔ "آج ایک صاحب نے گفتگو میں رازی کا ذکر کیا۔ تم جانتے ہو میں تو شاعر آدمی ہوں۔ آخر کیا کیا پڑھوں؟ اس وقت یہ پوچھنے کو تکلیف دی ہے کہ یہ رازی کون صاحب تھے۔ اور ان کا فلسفہ کیا تھا؟" میں دل ہی دل میں ہنسا کہ دیکھو اللہ والے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ بہر حال تعمیل ارشاد میں میں نے امام فخر الدین رازی اور ان کے مکتب فکر کا سیر حاصل احاطہ کیا اور اجازت چاہی۔ علامہ صاحب دروازے تک آئے آبدیدہ ہو کر رخصت کیا۔ اور کہا "تم نے میری مشکل آسان کر دی۔ اب اس شہر میں اور کون رہ گیا ہے جس سے کچھ پوچھ سکوں۔"

اگلی اتوار کو "زمیندار" کا پرچہ کھولا تو صفحۂ اوّل پر علامہ موصوف کی نظم تھی جس میں وہ مصرع ہے:

غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق

ہر چند میں نے واضح کر دیا تھا کہ رازی کا فلسفہ خاصا پیش پا افتادہ ہے دقیق ہر گز نہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے علامہ مرحوم کو ایسا ہی لگا۔

مدرسہ علمیہ شرطیہ موچی دروازے کے پرنسپل مرزا اللہ دتہ خیال نے جو چھے ماہ میں میٹرک اور دو سال میں بی اے پاس کرانے کی گارنٹی لیتے ہیں۔ ماہ نامہ "تصویر بتاں" میں پہلی بار اس بات کا اعتراف کیا کہ علامہ مرحوم کو مثنوی مولانا روم کے بعض مقامات میں الجھن ہوتی تو مجھے یاد فرماتے تھے۔ ایک بار میں نے عرض کیا کہ آپ منشی فاضل کیوں نہیں کر لیتے۔ تمام علوم آپ کے لئے پانی ہو جائیں گے۔ بولے "اس عمر میں اتنی محنت شاقہ نہیں کر سکتا" بعد میں میں نے سوچا کہ واقعی شعراء تلامیذ الرحمان ہوتے ہیں۔ ان کو علم اور ریسرچ

کے جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ تو ہم جیسے سر پھروں کا کام ہے۔

علامہ کے ایک جگری دوست رنجور فیروز پوری کو بھی لوگ گوشہ گمنامی سے نکال لائے۔ ایک بصیرت افروز مضمون میں آپ نے لکھا "خاکسار نے اپنے لئے شاعری کو کبھی ذریعۂ عزت نہیں جانا۔ بزرگ ہمیشہ سے نیچر بندی کرتے آئے تھے۔ اس میں خدا نے مجھے برکت دی۔ جو ٹوٹا پھوٹا کلام بسبیل ارتجال کہتا تھا۔ علامہ صاحب کی نذر کر دیتا تھا۔ اب بھی دیکھتا ہوں کہ ارمغان حجاز وغیرہ کتابوں میں سینکڑوں ہی مصرعے جو اس بیچ مداں کج مج زباں نے علامہ کے گوش گزار کئے تھے۔ نگینوں کی طرح چمک رہے ہیں۔

حکیم عزرائیلی مصنف طب بقراطی نے نمائندہ "صبح وشام" کو انٹرویو دیا تو بتایا کہ ایک زمانے میں حکیم الامت کو بھی طب کا شوق ہوا۔ بندہ نسخہ لکھتا اور علامہ مرحوم پڑیاں بناتے اور جوشاندے کوٹتے چھانتے۔ اس دوران اگر فکر سخن میں مستغرق ہو جاتے تو کبھی کبھی ہاون دستے میں اپنا انگوٹھا پھوڑ بیٹھتے۔ دوسرے روز عقیدت مند پوچھتے کہ یہ کیا ہوا؟ تو فقط مسکرا کر انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند کر دیتے۔

عام لوگوں کا یہ خیال تھا کہ علامہ مرحوم آخری سالوں میں کبوتر بازی اور پہلوانی نہیں کرتے تھے اور مینڈھے لڑانے کا شوق بھی ترک کر دیا تھا۔ صحیح صورت حال سے میاں معراج دین گوجرانوالوی نے رسالہ "غزل الغزلات" کے اقبال نمبر میں پردہ اٹھایا۔ پھر علامہ مذکور کے احوال میں اکثر آیا ہے کہ فلاں بات سنی اور آبدیدہ ہو گئے۔ فلاں ذکر ہوا اور آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ اس کا بھید بھی علامہ مرحوم کے ایک اور قریبی دوست ڈاکٹر عین الدین ماہر امراض چشم نے کھولا۔

اسی زمرے میں ڈاکٹر محمد موسیٰ پرنسپل بانگ درا ہومیو پیتھک کالج گڑھی شاہو کو رکھیئے جنہوں نے علامہ اقبال مرحوم کی زندگی کے ایک اور غیر معروف گوشے کو بے نقاب کیا۔ اپنی کتاب "تسہیل الہومیو پیتھی" کے دیباچے میں رقم طراز ہیں۔ "لوگوں کو یہ گمان غلط ہے کہ ڈاکٹر اقبال فقط نام کے ڈاکٹر تھے۔ اس عاجز کا مطالعہ اتنا نہیں کہ ان کے شاعرانہ مقام پر گفتگو کر سکے۔ ہاں اتنا وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مرض کی تشخیص میں اپنے بعد میں نے انہی کو دیکھا۔ بعض اوقات دواؤں کے ضمن میں بھی ایسے قابل قدر مشورے دیتے کہ یہ عاجز اپنے تبحر علمی کے باوجود حیران رہ جاتا۔ بہر حال شاعر تو ہمارے ہاں اب بھی اچھے اچھے پائے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک علامہ مرحوم کی رحلت ہومیو پیتھی طب کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ میں مریضوں پر توجہ دیتا اور وہ ایک کونے میں بیٹھے حقہ پیتے رہتے۔ تاہم اس عاجز کے مطب کی کامیابی میں جو مایوس مریضوں کی آخری امید گاہ ہے۔ اور جہاں خالص جرمن ادویات بکفایت فراہم کی جاتی ہیں۔ ان کے نام نامی کا بڑا دخل تھا۔ جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ آپ نے اپنی ایک مشہور تصنیف کا نام بھی عاجز کے مطب کے نام پر رکھا۔